

سپریم کورٹ آف پاکستان

(اورینجنل دائرہ اختیار)

بیسج:

مسٹر جسٹس افتخار محمد چوہدری، چیف جسٹس

مسٹر جسٹس میاں شاکر اللہ جان

مسٹر جسٹس محمود اختر شاہد صدیقی

مسٹر جسٹس ظہیر عارف حسین

مسٹر جسٹس طارق پرویز

مسٹر جسٹس امیر بانی مسلم

از خود نوٹس کیس نمبر 24 آف 2010ء

(بابت حج انتظامات سال 2010ء میں خرد برد)

انسانی حقوق کیس نمبرز 57701-P، 57719-G، 57754-P، 58152-P، 59036-S، 59060-P،

54187-P اور 58118-K آف 2010ء اور 1291-K اور 1292-K آف 2011ء۔

(درخواست دہندہ - عبدالرشید اور دیگرے)

عند الطلب عدالت:

مولوی انوار الحق، اٹارنی جنرل پاکستان

مسٹر امان اللہ کمرانی، اے جی بلوچستان

مسٹر ایم۔ اعظم خٹک، ایڈیشنل اے جی بلوچستان

سید ارشد حسین شاہ، ایڈیشنل اے جی خیبر پختونخواہ

چوہدری خادم حسین قیصر، ایڈیشنل اے جی پنجاب

حافظ شیر علی، جے ایس (جج)

سید تحسین انور علی شاہ، ڈی جی

مسٹر محمد اعظم، ڈائریکٹر لاء

برائے وزارت مذہبی امور:

برائے ایف آئی اے:

29-07-2011

تاریخ سماعت:

آرڈر

افتخار محمد چوہدری، چیف جسٹس: یہ کیس 2010 کے جج انتظامات میں سنگین قسم کی بدعنوانی سے متعلق ہے۔ پارلیمانی کمیٹی جس میں مولانا محمد قاسم، ایم این اے، چیئر مین سینڈنگ کمیٹی برائے مذہبی امور (قومی اسمبلی)، سید محمد صالح شاہ، سینیٹر، چیئر مین سینڈنگ کمیٹی برائے مذہبی امور (سینٹ)، پیر زادہ سید عمران احمد شاہ، ایم این اے، مسٹر بلال یاسین، ایم این اے اور ڈاکٹر خالد محمود سومر شامل ہیں۔ جو وزیراعظم نے تشکیل دی تھی جس نے جج انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے سعودی عرب کا دورہ کیا اور 01-09-2010 کے خط کے تحت وزیراعظم کو رپورٹ پیش کی کہ حجاج اکرام کی رہائش کے لیے کرائے پر لی گئی عمارات کے سلسلے میں انتظامی امور میں وزارت مذہبی امور کے اہلکاروں کی طرف سے بدعنوانی اور بددیانتی سرزد ہوئی ہے۔ اس خط کی ایک کاپی ہم میں سے ایک (چیف جسٹس) کو بھیجی گئی۔

2۔ سینیٹر خالد محمود سومر نے بھی اس کورٹ (چیف جسٹس) کو الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ٹی وی پروگرام "دنیا میرے آگے" جو کہ ایک نجی چینل کے ذریعے نشر کیا گیا میں درخواست کی کہ وہ اس معاملے میں تحقیقات کا آغاز کرے۔ اسی طرح پارلیمنٹین کی درخواست سے پہلے ایک خط عزت مآب شہزادہ بندر بن خالد بن عبدالعزیز السعود کی طرف سے بھی اس کورٹ میں وصول ہوا جس میں جج انتظامات میں ملوث ذمہ دار اہلکاروں کی بدعنوانیوں اور خرد برد کے الزامات تھے جو کہ حجاج کی رہائش کے لیے کرائے پر لی گئی عمارات جو کہ حرم سے کافی فاصلے پر بہت زیادہ مالیت / کرائے پر لی گئیں بجائے ان عمارات کے جو انتہائی کم کرائے پر حرم کے نزدیک دستیاب تھیں، کے ذمہ دار تھے۔ اس خط کو اہمیت دیتے ہوئے جیسا کہ یہ خط دوست ملک کی نہایت قابل احترام شخصیت سے موصول ہوا، 29-10-2010 کو مندرجہ ذیل حکم صادر کیا گیا:-

"یہ امر سنجیدہ نوعیت کا لگتا ہے اور ہماری حکومت کے لیے بدنامی کا سبب ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں سیکرٹری وزارت مذہبی امور سے وضاحت طلب کی جائے اور معاملہ وزارت خاجہ کے نوٹس میں بھی لایا جائے"

3۔ اس سلسلے میں وزارت خاجہ سے بھی وضاحت طلب کی گئی تھی، یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ روزنامہ "ڈان" کی 7 نومبر 2010ء کی اشاعت میں "حاجیوں کی رہائش کے سلسلہ میں بدعنوانی" کے عنوان سے ایک خبر چھپی کہ ایک سینیٹر نے سعودی شہزادے کے خط میں مکہ مکرمہ میں پاکستان سے جانے والے حاجیوں کو منگنے والوں پر رہائش کی فراہمی کے معاملہ پر لگائے گئے الزامات کی چھان بین بذریعہ ہاؤس کمیٹی کا مطالبہ کیا ہے۔ اس خبر میں اس بات کا بھی اظہار ہوا کہ اس معاملے پر بہت سے لوگوں اور دونوں ایوانوں میں تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس لیے حکومت کو اس معاملہ کی پوری چھان بین کر کے عوام کو حقائق سے آگاہ کرنا چاہیے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو ضروری اقدامات لے کر حاجیوں کی رہائش کے مسئلہ کو مستقبل میں صحیح خطوط پر استوار کرنا چاہیے۔ اسی طرح روزنامہ "نوائے وقت" نے اپنی 10 نومبر 2010ء کی اشاعت میں "جج کا انتظامات میں ہونے والی کرپشن" کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی۔ جس میں یہ الزام لگایا گیا کہ سابقہ ڈائریکٹر جنرل جج راؤ شکیل احمد کو اپنے عہدہ پر قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس مقصد کے لیے متعین کیا گیا تھا کہ وہ بدعنوانی کر سکے۔ یہ ڈائریکٹر جنرل ایک داند دار ماضی رکھتا ہے جس کے خلاف احتساب عدالت لاہور میں بدعنوانی کا مقدمہ زیر سماعت ہے۔ اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس بات سے قطع نظر کہ سعودی شہزادے کا خط اصل ہے یا کہ نہیں اس کے مندرجات اس حد تک حقائق پر مبنی ہیں کہ حاجیوں کو حرم سے 3 سے

ساڑھے تین کلومیٹر کے فاصلے پر گھٹیا رہائش گاہیں مہنگے داموں مہیا کی گئیں ہیں۔ اس رپورٹ میں ان اہلکاروں کی بدعنوانیوں کا بھی ماتم کیا گیا ہے۔ جو حاجیوں کی فلاح و بہبود کے لیے مقرر تھے۔

4- اراکین پارلیمنٹ، اخبارات و رسائل اور برقی نشریاتی اداروں نے نہ صرف حاجیوں کے لیے حرم سے خاصہ دور رہائشی عمارت کرائے پر لینے اور بظاہر 3600 سعودی ریال کے مہنگے داموں ان کو حاجیوں کی فراہمی میں بدعنوانی کے معاملہ کو منظر عام پر لایا ہے بلکہ اس معاملہ میں چھان بین کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ معاملہ دیگر کثیر الاشاعتی اخبارات بشمول روزنامہ "ڈان"، "نیوز انٹرنیشنل"، "جناح"، "جنگ" اور "نوائے وقت" میں جمع اداریوں کے شائع ہوا ہے۔۔

5- حج کے موقع پر کچھ حاجیوں نے جسٹس خلیل الرحمن مدے کو درخواستیں دیں جن میں دوران حج برے سلوک کی شکایات تھیں۔ جو کہ ذیل تبصرے کے ساتھ چیف جسٹس آف پاکستان کو ارسال کی گئیں۔

"میرے پاس مکہ مکرمہ اور منامیں خاصی تعداد میں حاجی آئے جو حج انتظامات بالخصوص مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں رہائشی عمارتوں اور منامیں رہائش کے ناقص انتظامات کے بارے میں شکایات کر رہے تھے۔ کچھ نے تحریری طور پر شکایات بھی دیں ان میں کچھ تو مجھ سے گم ہو گئی ہیں لیکن دو میرے پاس موجود ہیں جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جن پر آپ چاہیں تو ضروری احکامات صادر کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ان ہزاروں حاجیوں کے مصائب کے خاتمے کے سلسلے میں ہیں جو اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی خرچ کر کے حج ادا کرتے ہیں اور اس طرح سے ان کی خون پسینے کی کمائی ضائع ہو جاتی ہے۔

6- مورخہ 2 دسمبر 2010ء کو یہ حکم دیا گیا کہ اس معاملے کی عدالتی سماعت کی جائے۔ اس اثناء میں عدالت کو معاملہ کی سماعت کے دوران مطلع کیا گیا کہ راؤ شکیل احمد کے خلاف احتساب عدالت لاہور میں ریفرنس نمبر 76/2007 کی فوجداری سماعت ہو رہی ہے جس میں 32 میں سے 18 شہادتیں ضبط تحریر میں لائی جا چکی ہیں۔ عدالت کو مزید آگاہ کیا گیا کہ اس کے خلاف نیب میں اپنی آمدن سے زائد اثاثے رکھنے کا مقدمہ بھی زیر تفتیش ہے۔ یہ تفتیش 2004ء سے زیر التواء ہے اور ایک تفتیشی افسر نے اس بنیاد پر اس مقدمہ کو خارج کرنے کی سفارش کی تھی کہ اس کے خلاف کوئی کیس نہیں بنتا لیکن نیب ہیڈ کوارٹر نے اس سفارش کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس مقدمہ کی دوبارہ تفتیش کا حکم دیا تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس وقت جب تین افراد کے پینل میں سے راؤ شکیل احمد کو ڈائریکٹر جنرل حج مقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کا نام ای سی ایل میں شامل تھا۔ یہ بات عدالت کو خوشنوداختر لاشاری نے بتائی جو اس وقت سیکرٹری اسٹیشنمنٹ تھے۔ انہوں نے ریکارڈ پر ایک سمری لائی ہے۔

"مختصر روئیداد کے مطابق DSC نے اس کا نام دوسرے افسران نیئر محمود اور سجاد حیدر افضل کے ساتھ تجویز کیا تھا۔ یہ مشاہدہ خارج از متن نہیں ہوگا کہ مختصر روئیداد میں قطعی طور پر مذکور ہے کہ راؤ شکیل احمد کے خلاف نیب میں دو مقدمات زیر التواء ہیں۔ تاہم وزیراعظم نے اس کے ڈی جی حج جدہ کے طور پر تقرری کی منظوری دی"

7- اس وقت کے ایڈیشنل سیکرٹری ناصر حیات کی داخل شدہ رپورٹ کی مطابق راؤ شکیل احمد نے خود وزیر داخلہ رحمان ملک تک ای سی ایل سے نام نکلوانے کے لیے رسائی حاصل کی تھی۔ خط کی جانچ اس دلچسپ امر کو ظاہر کرتی ہے کہ وزیر داخلہ کے ایک SMS کے ذریعے راؤ شکیل احمد کا نام ای سی ایل سے نکالا گیا باوجود اس کے کہ اس کے خلاف نیب میں دو مقدمات زیر التواء تھے۔

8- اس وقت کے وزیر جج و مذہبی امور سید سعید کاظمی جو کہ اس وقت زیر حراست ہیں بھی اس جج اسکیبنڈل میں ملوث تھے وہ رضا کارانہ طور پر اپنے وکیل کے ہمراہ عدالت کے روبرو پیش ہوئے۔ حکومت کے ایک اور وزیر، اعظم خان سواتی وزیر برائے سائنس و ٹیکنالوجی جو خود بھی مدعی ہیں نوٹس کے جواب میں عدالت کے سامنے پیش ہوئے اور جواب دائر کیا اور اعادہ کیا کہ ہلکاروں کی کرپشن کے بارے میں مواد مہیا کریں گے۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ ایف آئی اے حکام کے سامنے پیش ہوں جہاں پر مقدمہ درج ہے۔ ڈی جی ایف آئی اے وسیم احمد، ڈائریکٹر قانون کے ساتھ اور مختلف تفتیشی افسران نے اس کیس کی سماعت میں حصہ لیا۔

9- یہ ایک انتہا درجے کی مالی بدعنوانی سے متعلق ایک اہم مقدمہ تھا جس پر نہ صرف ملکی بلکہ عالمی سطح پر بھی وفاقی وزیر اور دوسرے اعلیٰ حکومتی عہدیداران کے خلاف خاصا شور مچا ہوا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران ممبران پارلیمنٹ اور حجاج کرام عدالت کے روبرو پیش ہونا شروع ہوئے۔ 122 حجاج کرام کی دستخط شدہ درخواستوں میں حجاج دوران جج نے درپیش مصائب، تکالیف اور بدعنوانی کو عدالت میں پیش کیا۔ ملک کی عزت اور وقار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بدعنوانیوں کا شفاف احتساب صرف اس صورت میں ممکن تھا کہ فوجداری تفتیش کے لیے ایک تجربہ کار افسر کو تفتیشی افسر مقرر کیا جاتا جو حکام کے اثر میں آئے بغیر اس طرح کے مقدمے سے نپٹنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس لیے ڈی جی ایف آئی اے کو اس امر کی نشاندہی کی گئی تھی کہ اس کیس کی تفتیش کے لیے غیر سنجیدہ اور غیر تسلی بخش کارکردگی کے حامل گریڈ 16 کے افسر جو کیس پر توجہ نہ دے سکا کی بجائے کسی اعلیٰ افسر کی تعیناتی کی جائے جو کسی اتھارٹی کو خاطر میں لائے بغیر تفتیش میں شفافیت لاسکے۔

10- ریکارڈ کی جانچ کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ دوران سماعت، جج متاثرین نے انفرادی حیثیت میں بھی درخواستیں عدالت میں داخل کیں۔ ان ہی میں سے ایک گریڈ 21 کے ریٹائرڈ افسر محمد علی جس نے 2010ء میں جج ادا کیا۔ عدالت کو ایک دکھ بھری کہانی سنائی۔ جس میں اس نے ان تمام تکالیف کا ذکر کیا جو اسے اور اس کے خاندان کو دوران جج منا اور مکہ میں درپیش آئیں۔ جس کے انتظام کے لیے جج منتظمین ذمہ دار تھے۔ اس نے واقعات کی ایک ناخوشگوار تمثیل بیان کی جو اس کے مطابق ذمہ داروں کی بد عملی اور بدعنوانی کی واضح دلیلیں ہیں۔

11- اس وقت یہ بات بھی افشاں ہوتی ہے کہ وزارت جج نے ہر حاجی سے 700 سعودی ریال منامیں مناسب رہائش کی مد میں وصول کیے ہیں اور یہ امر تسلیم کیا جاتا ہے کہ کرایہ کی وصولی کے باوجود رہائش مہیا نہیں کی گئی۔ اس لیے مورخہ 13-12-2010 کے حکم میں سیکرٹری مذہبی امور کو ہدایت کی گئی کہ وہ مذکورہ حجاج کرام کو 700 سعودی ریال واپس کریں اور اگلی سماعت پر اس ضمن میں ایک سٹوفیلیٹ پیش کریں۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں 25000 حجاج کو 470 ملین روپے واپس کیے گئے جو ان سے کرایہ کی مد میں وصول تو کر لیے گئے تھے۔ لیکن انہیں رہائش فراہم نہیں کی گئی جس کی بدولت انہیں بے خانمائی کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑا۔ اس تاریخ کو ڈی جی ایف آئی اے وسیم احمد نے ایک رپورٹ پیش کی جسے اس تاریخ کے حکم نامے میں شامل کیا گیا۔ جس کا متن درج ذیل ہے:-

"وسیم احمد ڈی جی ایف آئی اے نے اپنی رپورٹ پیش کی جس کے ما حاصل پیرا گراف درج ذیل ہیں۔

3- ریکارڈ پر لائے گئے حقائق کی روشنی میں پہلے سے گرفتار شدہ سینئر اور جونیئر کے کردار کا تعین کرنا ضروری ہے کہ ثابت کیا جائے کہ کرپشن اور بدانتظامی میں ان کی شمولیت کتنی ہے۔

4۔ مقدمے کے حقائق و واقعات سے یہ نظر آتا ہے کہ سیکرٹری کا ڈائریکٹوریٹ جنرل جج جدہ کے معاملات پر کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ڈی جی جج کے پاس لامحدود مالیاتی و انتظامی اختیارات تھے۔ رائے ٹکیل احمد کی واپسی تعیناتی پر کرایہ کا طریقہ کار سیکرٹری MORA کی نگرانی میں مکمل ہوا جو کہ پالیسی کے مطابق نہیں تھا۔ یہ سیکرٹری MORA کی بے ضابطگی اور بد انتظامی کو ظاہر کرتا ہے۔

5۔ شہادت کے تائیدی ثبوت ابھی سعودی عرب سے حاصل کرنا باقی ہیں۔ خصوصاً جب احمد فیض ولد محمد شفیع کو گرفتار اور شامل تفتیش کیا جائے۔

6۔ اس جرم میں شامل لوگوں کی نشاندہی ایف آئی اے کی اس ٹیم کی رپورٹ پر ہی ممکن ہے جو جدہ گئی تھی۔ جہاں پر تمام غیر قانونی مالیاتی حساب کتاب کی ادائیگی اور وصولی کی گئی اور جہاں پر متعلقہ حکام اور غیر سرکاری لوگ موجود تھے۔

جس نے بتایا کہ مسٹر حسین اصغر ڈائریکٹر ایف آئی اے جو کہ ڈی آئی جی پولیس کے ریکرڈ پر ہیں ان کو تفتیشی ٹیم کا سربراہ مقرر کیا گیا ہے جو اپنی ٹیم کے ساتھ آج انوسٹی گیشن کے لیے سعودی عرب کے لیے روانہ ہو رہا ہے۔

12۔ اس نے بتایا کہ مسٹر حسین اصغر ڈائریکٹر ایف آئی اے ہیں، ڈائریکٹر ایف آئی اے جو کہ ڈی آئی جی پولیس کے عہدے کے افسر ہیں۔ انہیں جج اسکیٹڈل کی تفتیشی ٹیم کے سربراہ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں اور شہادتوں کے حصول کے لیے تفتیش کے عمل کو تیز کیا۔ تفتیشی عمل کے دوران انہوں نے سعودی عرب کا دورہ بھی کیا۔ حسین اصغر کے علاوہ ایک اور افسر بھی تفتیشی عمل کو تیز کرنے میں شامل تھا۔ ایک وفاقی وزیر دوسرے وفاقی وزیر کے خلاف بدعنوانی کے الزامات کی تائید کر رہا تھا۔ یہ عدالت چاہتی ہے کہ شفاف تفتیش کے عمل کو یقینی بنایا جائے اور حقائق کو وزیر اعظم کے سامنے لیا جائے جو اس معاملے کو ذاتی دلچسپی سے دیکھیں اور یقینی بنائیں کہ تفتیش ان اہلکاروں سے کرائی جائے جو کرپشن کے الزامات سے پاک ہوں۔

13۔ جب تفتیش جاری تھی اور تفتیشی ٹیم جس کی سربراہی حسین اصغر کر رہے تھے کافی شہادتیں اکٹھی ہو گئی تھیں سید جاوید علی شاہ بخاری کو ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے تعینات کیا گیا اور ان کے ساتھی تفتیشی افسران کو بغیر کسی وجہ سے ان سے علیحدہ کیے گئے۔

حسین اصغر جو تفتیشی ٹیم کے سربراہ تھے وہ کیس کی کافی سارے مخفی پہلوؤں کو اجاگر کر رہا تھا اور حکومت میں شامل بااثر لوگوں کے خلاف کافی مواد اکٹھے کیے تھے۔ سید جاوید علی شاہ کو تفتیشی آفیسر بنایا لیکن وہ از خود علیحدہ ہو گیا جس پر اس سے وضاحت طلب کی گئی۔ اس کا جواب تھا کہ اس کی گریڈ 22 میں ترقی ہوئی ہے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ وہ اس فرصت سے فائدہ اٹھالے۔ تاہم اس کے خلاف ایک علیحدہ اعتراض قائم کیا گیا اور حکومت کو ہدایت کی گئی کہ اس کے خلاف محکمانہ کارروائی کی جائے کیونکہ اس نے اپنی ڈیوٹی ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس وقت ہم کیس کے اس پہلو پر ہم کچھ لکھنا نہیں چاہتے اس لیے کہ وہ جاوید بخاری کے خلاف محکمانہ کارروائی پر اثر انداز نہ ہو۔

14 - جہاں تک حسین اصغر کا تعلق ہے وہ عدالت میں حاضر ہوا اور عدالت کے سامنے اپنا نوٹیفکیشن رکھ دیا جس میں اس کی تبدیلی بحیثیت انسپکٹر جنرل آف پاکستان گلگت بلتستان ہوا تھا۔ اس لیے ملک محمد اقبال ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے سے وضاحت طلب کی گئی جو اس وقت عہدہ سنبھالا تھا کورٹ نے اس بات کو جائزہ بھی لیا کہ وہ بحیثیت سینئر آفیسر اس کو چاہیے تھا کہ تفتیش کو صحیح سمت پر تیزی سے لے جاتے اس نے تفتیش میں رکاوٹ ڈالی اور حسین اصغر کی تبدیلی کے بعد کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے سے وضاحت طلب کی گئی کہ جب تفتیش اپنی منطقی نتیجے پر پہنچنے والی تھی تو اس نے حسین اصغر کو عدالت کے نوٹس میں لائے بغیر کیوں فارغ کر دیا۔

15 - ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے نے کہا کہ اس کو کوئی اعتراض نہیں اگر حسین اصغر کو دوبارہ تفتیش مکمل کرنے کے لیے تعینات کیا جائے اور اس سلسلے میں ملک اقبال صاحب ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے نے حسین اصغر کو دوبارہ تعیناتی کے لیے خط لکھا لیکن مجاز اتھارٹی کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ 10 جون 2011ء کو سابقہ سیکرٹری اسٹیمبلشمنٹ اور ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے عدالت میں حاضر ہوئے اور مزید وقت مانگا کہ حسین اصغر کو دوبارہ ایف آئی اے میں تعینات کرنے کے لیے مجاز اتھارٹی سے رابطہ کریں۔ اس لیے کیس کو ملتوی کیا گیا اور 25 جولائی 2011ء کو جب کوئی پیش رفت نظر نہیں آئی تو عدالت نے مندرجہ ذیل احکامات جاری کیے:-

" افتخار محمد چوہدری، چیف جسٹس :- پچھلی سماعت کے دوران یہ احکامات جاری کیے تھے۔

" سیکرٹری اسٹیمبلشمنٹ حاضر ہے اور اس بات کی تصدیق کی کہ سیکرٹری داخلہ کے ذریعے متعلقہ افسر کو ایف آئی اے سے فارغ کرنے سے متعلق فراغت رپورٹ لی تھی اور مثبت جواب ملنے پر اس کو تبدیل کر دیا گیا۔ تاہم دونوں سیکرٹری اسٹیمبلشمنٹ اور ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے نے کہا کہ انہیں کچھ وقت دیا جائے کہ وہ مجاز اتھارٹی سے رابطہ کریں اور حسین اصغر کو دوبارہ ایف آئی اے میں لایا جائے اور کیس کو 2 ہفتوں کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

2 - یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک حکم کی تعمیل نہیں کی گئی۔ اس لیے جج کرپشن کی تفتیش میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور نہ کسی ذمہ دار/سنبھیدہ آفیسر کو تعینات کیا گیا ہے۔ بے شک عدالت نے کئی دفعہ شائستگی سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ایک شخص جو اس قابل ہو، کو تعینات کیا جائے جو اس تفتیشی عمل کو آگے بڑھائے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عدالت کے حکم کو جان بوجھ کر سبوتاژ کیا گیا۔

3 - اندرین حالات ہم سیکرٹری اسٹیمبلشمنٹ ڈویژن کو ہدایت کرتے ہیں کہ امروزی النور حسین اصغر کے تبادلے کے احکامات بطور ڈائریکٹر ایف آئی اے صادر کرے تاکہ وہ اپنے فرائض منصبی سنبھال کر مقدمے کی تفتیش جاری رکھے۔ بصورت دیگر اسے عدالتی حکم کی عدم تعمیل کے سلسلہ میں عدالت میں پیش ہو کر کارروائی کا سامنا کرنا ہوگا اسی اثناء میں اسے ان افسران کی فہرستیں بھی تیار کرنا ہوں گی جو حسین اصغر کی تعیناتی بطور آئی جی گلگت بلتستان کے وقت دستیاب

تھے کیونکہ ایسا لگتا ہے اسے موجودہ کارروائی سے الگ رکھنے کے لیے بعد از حصول رپورٹ فراغت ازاں ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے باہر تعینات کیا گیا ہے۔ جو کہ ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے نے جان بوجھ کر بدیانتی سے رپورٹ دی ہے جبکہ وہ جانتا تھا کہ حسین اصغر ایک ایسے اہم مقدمے کی تفتیش کر رہا ہے۔ جس میں نہ صرف حجاج کرام کو لوٹا گیا ہے بلکہ اس سے وطن عزیز کی بدنامی بھی ہوئی ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حسین اصغر کے تبادلے کے بعد مقدمہ میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی۔

4۔ نوٹیفکیشن کا اجراء ہونے کے بعد ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اسے ہر طرح کا تعاون اور سہولت فراہم کی جائے بشمول وہ ٹیم جو اس کے ساتھ پہلے سے تفتیش کی رہی تھی۔

5۔ کل بتاریخ 11-07-26 کے لیے التواء میں رکھا جاتا ہے۔"

16۔ مذکورہ بالا حالات کے تحت سیکرٹری اسٹبلشمنٹ نے ایک سری برائے دوبارہ تعیناتی حسین اصغر ارسال کر دی اور مطلوبہ عمل سرانجام نہ دیا گیا لہذا اسے عدالتی احکامات کی تعمیل بذریعہ اجراء نوٹیفکیشن کرنے کا کہا گیا۔ اس نے عدالتی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حسین اصغر کے تبادلے کا نوٹیفکیشن مورخہ 11-07-26 کو کر دیا۔ لیکن اس سے لگتا ہے کہ ابھی تک اس نے ایف آئی اے ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ نہیں کی جیسا کہ انارنی جنرل پاکستان کے مطابق ابھی تک اس سے براہ راست رابطہ نہیں ہو سکا۔ البتہ چیف سیکرٹری گلگت بلتستان کی جانب سے موصولہ دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کی انتظامیہ متبادل کی فراہمی کے بغیر اسے فارغ کرنے سے انکاری ہے۔

17۔ فاضل انارنی جنرل پاکستان اس ضمن میں مورخہ 11-07-28 کو درج ذیل رپورٹ ریکارڈ پر لاپچھے ہیں:-
"رپورٹ ازاں ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے"

گزشتہ رپورٹ جو کہ 11-07-27 کو جاری ہوئی ہے بمطابق عدالت عظمیٰ کی ہدایت مورخہ 11-07-28 کی تعمیل میں درج ذیل اقدامات کیے گئے ہیں۔

i۔ ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل محمد منظور نے اپنے فون نمبر 0321-9480003 سے حسین اصغر کے ساتھ ان کے فون نمبر 0355-5550161 اور 0345-3056663 پر رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر کوئی جواب نہ ملا۔

ii۔ ڈی آئی جی ہیڈ کوارٹر گلگت بلتستان پولیس سے حسین اصغر آئی جی پولیس کے متعلق جاننے کے لیے رابطہ کیا گیا۔ اس نے مطلع کیا کہ آئی جی پولیس سکرو میں ہیں لیکن ان سے کوئی رابطہ نہ ہے۔ تاہم ڈی آئی جی حکومت گلگت بلتستان کے سروس ڈیپارٹمنٹ کے ایک نوٹیفکیشن مورخہ 11-07-26 بجانب آئی جی پولیس کی ایک کاپی فیکس کی جس میں ہدایات ہیں کہ وزیر اعلیٰ گلگت بلتستان آپ کو زبانی ہدایت کر چکے ہیں کہ بلا اجازت اتھارٹی مجاز اور بغیر فراہمی متبادل آئی جی پولیس گلگت بلتستان کا چارج نہ چھوڑا جائے۔ (منسلک الف)

iii - ڈی آئی جی ہیڈ کوارٹر کو کہا گیا ہے کہ آئی جی پولیس سے رابطہ کیا جائے اور اسے معزز عدالت عظمیٰ کے احکامات مورخہ 11-07-27 کے بارے میں مطلع کیا جائے۔ اسے یہ بھی کہا گیا کہ ایس پی سکر دو سے کہا جائے کہ حسین اصغر کو تلاش کر کے بذریعہ وائز پولیس استعمال آئی جی پولیس کو پیغام دیا جائے۔

iv - سپریم کورٹ آف پاکستان کے حکم بتاریخ 11-07-27 کی نقول کو چیف سیکرٹری حکومت گلگت بلتستان کے فیکس نمبر 05811-920144 اور انسپکٹر جنرل پولیس کے فیکس نمبر 05811-930015 پر علیحدہ علیحدہ فیکس کر کے فوری طور پر تعمیل کا کہا گیا ہے۔ (C اور D لف ہیں)

v - ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے نے عدالت کو یہ یقین دلایا کہ جیسے ہی حسین اصغریف آئی اے کو ڈیوٹی کے لیے رپورٹ کریں تو سارے جج اسکیڈل کیس کی تفتیش مکمل طور پر ان کے حوالے کر دی جائے گی۔ اور ان کی معاون ٹیم کو بھی ان کے ساتھ لگا دیا جائے گا۔ اس کو بھی ساری سہولیات اس سلسلے میں فراہم کریں گے۔
(دستخط ڈی جی ایف آئی اے)

18 - سب سے دلچسپ بات تو یہ سامنے آئی جب اس وقت کے سیکرٹری اسٹیلشمنٹ سہیل احمد جو عدالت کے حکم کی تعمیل کے لیے کہا تھا اور جس نے حسین اصغر کی تبدیلی کا نوٹیفکیشن جاری کیا تھا اس کو مورخہ 11-07-26 کے نوٹیفکیشن کے ذریعے او ایس ڈی بنا دیا گیا۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہے:-

"سہیل احمد (BPS-22) سیکرٹریٹ گروپ کو جو موجودہ طور پر سیکرٹری اسٹیلشمنٹ ہے اس کو فوری تبدیلی کر کے ناظم ٹائی او ایس ڈی بنایا جاتا ہے۔"

19 - عدالت ہذا کے تجزیہ کے مطابق اگر ایک سرکاری ملازم جو کہ مسٹر سہیل احمد کی طرح قانون اور آئین کی بالادستی کے لیے کھڑا ہوا اور عدالت کا حکم مانے اسے او ایس ڈی بننے کی سزا نہیں دی جانی چاہیے۔ کیونکہ یہ اٹل قانون ہے کہ کسی افسر کو جب سزا دینی ہو تو اس کو او ایس ڈی بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ لفظ او ایس ڈی کسی کو سزا دینے کے مترادف ہے اور او ایس ڈی لفظ کی سول سرونٹ ایکٹ 1973ء میں کوئی وضاحت نہیں ہے۔ ہم اس پہلو کو اس حکم میں آگے زیر غور لاتے ہیں۔ ان تمام پہلوؤں کو ہم نے 27 جولائی 2011 کے حکم میں بھی بیان کیا ہے اور اس لیے اسے دوبارہ بھی یہاں دوہراتے ہیں:-

"سید تحسین انور علی شاہ ڈی جی ایف آئی اے کورٹ کے سامنے پیش ہو کر بیان دیا کہ اس عدالت کے حکم مورخہ 25 اور 26 جولائی 2011ء کے مطابق اسٹیلشمنٹ ڈویژن نے نوٹیفکیشن جاری کر دیا ہے جس کے مطابق حسین اصغر کو آئی جی گلگت بلتستان سے تبدیل کر کے ایف آئی اے میں ڈائریکٹر بنا کر جج کیس کے لیے تفتیشی آفیسر مقرر کیا گیا ہے پر پوری طرح عمل ہوگا۔ مزید ان کے مطابق جو تفتیشی ٹیم ان کے ساتھ تھی وہ بھی ان کے ساتھ ہوگی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ حسین اصغر نے نا حال ایف آئی اے میں رپورٹ نہیں کی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ وہ اپنے اسٹیشن سے

باہر تھے یعنی کراچی گئے ہوئے تھے اس لیے حسین اصغر سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ حسین اصغر جیسے ہی اپنا چارج چھوڑ کر پہلی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچے گے تو فوری طور پر ڈائریکٹر ایف آئی اے کا چارج لے لیں گے بصورت دیگر انہیں بذریعہ سڑک بھی یہاں پہنچنے کا کہا جاسکتا ہے۔

2۔ ان حالات کے مد نظر ہم نے اس کیس کی سماعت کل تک ملتوی کرتے ہیں تاکہ دیکھ سکیں کہ آیا مسٹر حسین اصغر بطور ڈائریکٹر ایف آئی اے کا چارج 25 اور 26 جولائی 2011ء کے احکامات کے مطابق لے لیتے ہیں۔

3۔ لیکٹرائٹ میڈیا اور اخبارات میں یہ بات چھپی کہ مسٹر سہیل احمد سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ کو اپنے عہدے سے ہٹا کر او ایس ڈی بنا دیا گیا ہے۔ یہ بات مسٹر حسین اصغر کے آئی جی پولیس گلگت بلتستان سے تبدیل کر کے ڈائریکٹر ایف آئی اے بن کر جج کرپشن کیس کی تفتیش کرنے کے نوٹیفکیشن ہونے کے بعد عمل میں آئی۔ اصل میں سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ نے اس عدالت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مسٹر حسین اصغر کے ڈائریکٹر ایف آئی اے کے تبادلے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا تھا۔

4۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ 25 اور 26 جولائی کے احکامات صادر ہونے سے پہلے مجازا تھارٹی کو حسین اصغر کی ٹرانسفر اور بطور ڈائریکٹر ایف آئی اے تعیناتی کے سلسلے میں کئی بار کہا تا کہ وہ جج کرپشن کیس کی تحقیقات کریں جس سے نہ صرف ملک کی بدنامی ہوئی بلکہ اس میں کئی سینئر سرکاری حکام اور بااثر افراد ملوث ہیں جنہوں نے بھاری رقم حاصل کیں۔ مسٹر حسین اصغر کی گلگت میں تبادلے کے بعد اس فراڈ کیس میں تفتیش بالکل رک گئی۔ مسٹر حسین اصغر جو پہلے اس کیس کی تحقیقات کر رہے تھے انہوں نے اس کیس میں کافی کامیابی حاصل کی ان کو بطور ڈائریکٹر ایف آئی اے واپس نہیں لایا گیا جس کے نتیجے میں عدالت کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے آئینی دائرہ اختیار کے تحت حکم جاری کریں۔ 26 جولائی 2011ء کی سماعت کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ سہیل احمد سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ نے مجازا تھارٹی کو مسٹر حسین اصغر کے تبادلے کے متعلق سمری بھیجی تھی مگر مجازا تھارٹی نے اس پر کوئی کارروائی نہ کی۔

5۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب ایک عدالتی حکم پاس ہو جاتا ہے تو انتظامیہ اور عدلیہ آئین کے آرٹیکل 5 اور 190 کے تحت اس پر عمل کی پابند ہوتی ہیں۔ اسی لیے مسٹر سہیل احمد سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ نے ان کو اس آئینی ذمہ داری کے تحت توجہ دلائی۔ جس کی عدم عملداری سے وہ تو بین عدالت کے مرتکب ہوتے اس بات کا واضح ذکر ہمارے 11-07-26 کے حکم میں بھی ہے۔ مسٹر سہیل احمد سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ چائے کے وقفے کے بعد جب دوبارہ عدالت مزید سماعت کے لیے اکٹھی ہوئی تو انہوں نے عدالت کے حکم کے مطابق نوٹیفکیشن پیش کیا۔ نوٹیفکیشن کے مطابق

یہ واضح تھا کہ یہ عدالت کے حکم کی تعمیل میں جاری ہوا تھا اور انہوں نے اپنی آئینی ذمہ داری پوری کی جیسا کہ آرٹیکل 190 میں درج ہے۔ علاوہ ازیں ایسے آفیسر کو دیگر وجوہات کی بناء پر سزا نہیں دی جاسکتی کہ اس نے ایسا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ سیکرٹری اسٹیشنمنٹ عدالتی احکامات 25 اور 26 جولائی 2011ء کی پیروی کے مطابق نوٹیفکیشن جاری کیا اور آفیسر کو واپس ڈی بنانا یہ ملک کے لیے ایک اچھا پیغام نہیں ہوگا۔

6۔ ہم پہلے بھی کئی بار واضح کر چکے ہیں کہ ٹرانسفر اور پوسٹنگ صرف انتظامیہ کے اختیارات ہے۔ جبکہ اس کیس کے خاص حقائق اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے از خود احکامات صادر کرنے کی بجائے ہم نے مسٹر حسین اصغر، ڈائریکٹر ایف آئی اے کے ٹرانسفر اور پوسٹنگ کا معاملہ انارنی جنرل کے ذریعے حکومت کو بھیجا مگر اس پر کوئی عمل نہ ہوا۔ ان حالات کے پیش نظر ہم نے خود عدالتی نظر ثانی اختیارات کو بروکار لاتے ہوئے انتظامیہ کے احکامات کی جانچ پڑتال کی اور 25 اور 26 جولائی 2011ء کو احکامات جاری کیے جو مسٹر سہیل احمد کو واپس ڈی بنانے کے سبب بنے۔ نہ صرف یہ کہ مسٹر سہیل احمد سیکرٹری اسٹیشنمنٹ جس نے قانونی احکامات کی بجا آوری کی، کو جھگڑنا پڑا اور اگر اس طرح ہونے دیا گیا تو آفیشلو اور حکام بالا پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے اور ان کو یہ پیغام جائے گا کہ انہوں نے مجاز اتھارٹی کی منظوری کے بغیر عدالت عظمیٰ کے احکامات پر عمل درآمد کیا تو ان کو یا تو ٹرانسفر کیا جائے گا یا ان کے خلاف محکمانہ کارروائی کی جائے گی۔ علاوہ ازیں یہ چیز بے لوث، ایماندار اور محنتی افسروں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ اس لیے ان حالات میں یہ عدالت ان افسران کو انتظامیہ کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی کہ وہ ان کے ساتھ جس طرح چاہے سلوک کریں۔ اس بات میں دورانے نہیں ہو سکتی کہ انتظامیہ کے اپنے اختیارات قانون کے مطابق استعمال کرنے چاہئیں لیکن یہ صوابدید اسے مدبرانہ طور پر استعمال کی جائے جیسا کہ طارق عزیز الدین کے کیس (2010 SCMR 1301) میں ہے۔

7۔ جس انداز سے مسٹر سہیل احمد سیکرٹری اسٹیشنمنٹ کو سزا دی گئی ہے وہ ہمیں یہ یقین کرنے میں مضبوط وجوہات فراہم کرتا ہے کہ یہ عمل اس عدالت کے احکامات کو سبوتاژ کرنے کے مترادف ہے۔ مجاز اتھارٹی کا فوری رد عمل جائز نہیں تھا۔ کیونکہ مسٹر سہیل احمد نے عدالتی احکام کی تعمیل کی ہے جو کہ وہ آئین کے تحت کرنے کا پابند تھا۔ جو کہ متبرک دستاویز ہے اور ملک کے تمام ادارے اس پر کاربند رہنے پر پابند ہیں۔ اگر کوئی ادارہ اس کے کسی دفعہ سے ہٹنے کی کوشش کریں تو یہ اس ملک میں ایک انارکی کی طرف لے جائے گا۔ جس کے بڑے خطرناک نتائج ہوں گے۔ تمام صاحب اختیار لوگوں کو اس طرح کے موقع سے گریز کرنا چاہیے۔ آئین کے تحت اگر یہ عدالت احکامات صادر کرتے ہیں ان پر عمل درآمد ہونا چاہیے اور ان پر عمل درآمد کرنے کے لیے کسی اتھارٹی کی منظوری ضروری نہیں ہے۔ اصول اور ضابطے جو کہ آئین کے ماتحت ہیں وہ اس

عدالت کے احکامات کے عملدرآمد میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

8۔ ہم جب ہم نے انارنی جنرل دریافت کیا کہ کیا اس نے وہ نوٹیفکیشن جس کے تحت مسٹر سہیل احمد سیکرٹری اسٹیل شمشٹ کو واپس ڈی بنایا گیا ملاحظہ کیا۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ ان کو اس بات کا علم الیکٹرانک میڈیا اور اخبارات کے ذریعے ہوا۔ ہم نے یہ امر بھی محسوس کیا کہ عدالت ہذا کے رجسٹرار نے ایک نوٹ غور کرنے کے لیے سامنے رکھا جو ظاہر کرتا ہے کہ ان واقعات کو جو مسٹر حسین اصغر کے تبادلے کے نوٹیفکیشن کے جاری ہونے کے بعد رونما ہوئے۔

9۔ اس مرحلے پر ہم نے انارنی جنرل سے دریافت کیا جس کی موجودگی میں یہ حکم لکھوایا گیا کہ وہ مجاز حکام سے رابطہ کریں اور یہ مندرجہ بالا آرڈر پہنچائیں اور یہ بھی یقینی بنائیں کہ مسٹر سہیل احمد کو سیکرٹری اسٹیل شمشٹ بحال کیا جائے اور جس نوٹیفکیشن کے ذریعے اسے واپس ڈی بنایا گیا واپس لیا جائے اور انارنی جنرل اس بارے میں تحریری رپورٹ دائر کریں کہ کیا اس نے مجاز حکام کو بتادیا اور کیا جواب موصول ہوا ہے۔

انارنی جنرل اس حوالے سے ایک تحریری رپورٹ جمع کرائیں گے جو کہ جو کچھ انہوں نے مجاز اتھارٹی کو مطلع کیا ہے اور اس کے جواب میں انہوں نے جو کچھ وصول کیا ہے پر مشتمل ہوگی۔

10۔ ہم نے سماعت آج 11:30 تک اس حکم کی تعمیل کے لئے ملتوی کی۔

11۔ جب یہ معاملہ دوبارہ 11:30 بجے اٹھایا گیا تو انارنی جنرل پاکستان نے ایک نوٹی فیکیشن F. No. 41/335/2009-E-1، بتاریخ 26 جولائی 2011 کی نقل عدالت کے ریکارڈ میں لائے جس کی رو سے سہیل احمد سیکرٹری اسٹیل شمشٹ کو فوری طور پر، مستقبل میں مزید کسی آرڈر تک واپس ڈی بنایا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ وزیراعظم شہر سے باہر ہے اور جیسے ہی وہ واپس آئے وہ کابینہ کی آج ہی کے دن طے شدہ میٹنگ میں چلے گئے، اس وجہ سے ان کا ان سے رابطہ نہ ہو سکا۔ جب کہ انہوں نے وزیراعظم کے پرنسپل سیکرٹری کو کہہ دیا ہے کہ وہ آج کے آرڈر میں پاس شدہ تحفظات وزیراعظم کے نوٹس میں لے کر آئیں، جنہوں نے یقین دلایا ہے کہ وہ اس بات کو وزیراعظم کے نوٹس میں لے آئیں گے، جیسا کہ اس کیس کی سماعت ملتوی کی جا رہی ہے، ہم نے انارنی جنرل سے کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں آج ذاتی طور پر وزیراعظم سے ملیں اور انہیں اس عدالت سے پاس شدہ آرڈر کی مصدقہ کاپی بھی مہیا کریں اور اس حوالے سے انہیں بنیادی قانونی اور آئینی تفصیل اور وضاحت دیں، اور اس کے ساتھ اوپر بیان کردہ تحفظات بھی ان کے نوٹس میں لائیں اور ان کا رد عمل تحریری طور پر کل عدالت میں پیش کریں۔ فاضل انارنی جنرل کل ہمارے سامنے متعلقہ فائل بشمول اس سمری کے جس کی بنیاد پر اوپر بیان کردہ نوٹی فیکیشن جاری کیا۔ پیش کریں۔

12۔ فاضل انارنی جنرل نے بتایا ہے کہ انہوں نے ڈی جی ایف آئی اے کو حسین اصغر سے

رابطے کے لئے متعین کیا ہے، تاکہ وہ واپس آ کر بطور ڈائریکٹر ایف آئی اے اپنا چارج لے سکیں، اس لئے وہ اپنے دفتر میں ان ہدایات میں عمل درآمد کرنے گئے ہیں جو کہ ان کی موجودگی میں عدالت نے جاری کیں۔

مزید سماعت 11-07-28 کے لئے ملتوی کی جاتی ہے۔

20۔ عدلیہ بشمول عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ کی ذمہ داری ہے کہ وہ آئین کا تحفظ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ بنیادی حقوق جن کا آئین میں انفرادی یا اجتماعی طور پر ذکر ہے، ان کے دائرہ اختیار کے تحت آیا وہ آئین پاکستان کے آرٹیکل 199 کے تحت ہو یا (3) 184 کے تحت، ہم اپنے دائرہ اختیار کے بارے میں مکمل طور پر آگاہ ہیں، معاملات کا آئین اور قانون کے مطابق فیصلہ دینا عدالتی افسران کا ایک اہم فریضہ ہے۔ ہم اپنے دائرہ اختیار کے بارے میں باخبر ہیں اور ان کا استعمال عدالتی حدود میں رہ کر کرتے ہیں۔ لیکن ان حدود و قیود کا استعمال شہریوں کے حقوق داؤ پر لگا کر اور انہیں انصاف فراہم نہ کر کے نہیں کر سکتے۔

اعلیٰ عدلیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قانون اور آئین کی تشریح کرے اور بنیادی حقوق کا نفاذ کرائے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آخری فیصلہ کن کردار عدالت ہی کو ادا کرنا ہوتا ہے اور اسے دہرائے بغیر اس عدالت نے اس کیس میں کرپٹ عناصر کی طرف سے حجاج کرام کی لوٹنے اور ملک کا نام بدنام کرنے پر کارروائی شروع کی۔ اس عدالت کی مداخلت پر حجاج کرام کی کچھ دادرسی سات سو ریال فی حاجی حاجی کی صورت میں کردی گئی ہے۔ یہ سب ایک ایماندار قابل اور دیانت دار ڈائریکٹر ایف آئی اے کی وجہ سے تھا۔ جو کہ اس تفتیش ٹیم کی سربراہی کر رہا تھا جو کہ کرپٹ عناصر کے خلاف مواد سامنے لا رہا تھا۔

21۔ جیسا کہ اوپر نوٹ کیا گیا ہے، شروع میں حجاج کرام کی بجائے پارلیمنٹین صاحبان نے خود عدالت سے رجوع کیا اور ہم نے انارنی جنرل کے ذریعے وزیر اعظم کی کہا کہ وہ اس انتہائی حساس نوعیت کے معاملے کو دیکھیں۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس عدالت نے کسی کے خلاف حکم جاری کرنے کی بجائے صبر کا مظاہرہ کیا۔

22۔ جب سے شہادتیں اکٹھی کی گئیں اور اصل ملزم افراد پکڑے جانے کے قریب تھے اور تفتیش جاری تھی کہ اچانک ایک قابل افسر جو کہ پہلے سے ایف آئی اے میں کام کر رہا تھا اور اس عدالت کے حکم پر ایف آئی اے میں ٹرانسفر کیا گیا تھا کہ اس کیس کی تفتیش سے علیحدہ کر کے تبدیل کر دیا گیا۔

23۔ یہ عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ جمہوری نظام ملک میں لازمی طور پر جاری رہنا چاہیے۔ جو پہلو عدالت عظمیٰ کے فیصلہ بمعہ مقدمہ سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن (PLD 2009 SC 879) میں بیان کیا گیا ہے۔ جس میں فوجی آمر کے تمام اقدامات کو غیر آئینی قرار دیا گیا ہے اس کے ساتھ انتخابات فروری 2008 جن کے بارے میں بھی اندیشہ تھا کہ غیر قانونی قرار دے دیئے جائیں گے کو جائز قرار دیا گیا تاکہ عوامی رائے/خواہشات کو فروغ دیا جائے۔ جسٹس عبدالحمید ڈوگر جن کو آئینی اور قانونی طور پر چیف جسٹس تسلیم نہیں کیا گیا۔ لیکن علاوہ ازیں اس حلف کے جوانہوں نے صدر پاکستان کے سامنے لیا تھا اس کو عدالت ہذا نے نظام کو بچانے کے لئے جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

189۔ بحوالہ منعقدہ عام انتخابات فروری 2008 منتخب عوامی نمائندگان کا حلف و وفاقی و صوبائی حکومتوں کے بننے کا ذکر کرتے ہوئے انارنی جنرل نے بیان کیا کہ عوام نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور عوامی رائے کا احترام لازمی ہے۔ اس لئے عدالت کا ایسا کوئی فیصلہ جو اس ضمن میں جمہوری نظام کو متاثر کرے وہ عوام الناس کے مفاد اور بہتری

میں نہیں ہوگا۔ کچھ ایسے ہی حالات و واقعات میں عاصمہ جیلانی کیس میں عدالت نے قرار دیا کہ:

”قومی اسمبلی کا اجلاس ہوا اور نئے صدر کے اختیارات سنبھالنے کی توثیق کی۔ جو کہ منتخب عوامی نمائندے اور قومی اسمبلی کی اس اکثریت والی پارٹی کے لیڈر ہیں جو منتخب ہو چکی ہے۔ اب قومی اسمبلی منتخب ہو چکی ہے۔“

190۔ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ موجودہ فیصلہ ان معاملات کی حد تک محدود ہے جو عدالت کے سامنے ہیں۔ جیسا کہ نفاذ ہنگامی حالات PCO-1 of 2007 اور حکم نامہ حلف 2007 وغیرہ کی آئینی حیثیت۔ یہ قابل ذکر ہے کہ 18 فروری 2008 کے عام انتخابات قومی اسمبلی و صوبائی اسمبلیوں کی پانچ سالہ آئینی معیار کی تکمیل کے بعد تحلیل ہونے کے بعد منعقد ہوئے اور ان عام انتخابات کے نتیجے میں اسمبلیاں بنیں اور وفاقی و صوبائی حکومتوں کا قیام عمل میں آیا۔ اور مزید یہ کہ عام انتخابات کا انعقاد ہنگامی حالات کے خاتمہ کے بعد عمل میں آیا نہ کہ PCO-1 of 2007 کے دوران، یہ امر کہ عام انتخابات کے انعقاد کا ابتدائی اعلان جنرل پرویز مشرف کی ایماء پر بعد از اقدامات 3 نومبر 2007 کیا گیا ہو۔ لیکن یہ کسی بھی طرح اس عمل کو متاثر نہیں کرتا جس کے تحت انتخابات ہوئے اور عوام نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اور نہ ہی انتخابات کو آرٹیکل 6 بحکم تنفیخ نفاذ ہنگامی حالات آرڈر 2007 جس کے تحت قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات اپنے مقررہ وقت کے مطابق ہونا قرار دیئے جانے تھے۔ اور اس کے بعد قومی اور صوبائی اسمبلیاں صدر پاکستان کی مقررہ کردہ تاریخ پر آپیکر اور نائب آپیکر کے انتخاب کے لئے جمع ہونی ہوں۔ اور دوسرے اسی قسم کے دیگر معاملات کے لئے جو صدر پاکستان واضح کرے کسی صورت میں عام انتخابات کے جائز ہونے کو متاثر نہیں کرے گا۔ اس لئے ہم اس بات پر قائم ہیں کہ فروری 2008 کے عام انتخابات آئین اور قانون کے مطابق منعقد ہوئے ہیں۔ یہ عدالت تصدیق اور احترام کرتی ہے اس اختیار کا جو مقتدر اعلیٰ یعنی عوام نے جمہوری طور پر منتخب کردہ حکومت کو 18 فروری 2008 کو دیا اور اس طاقت کے تین سرچشموں کو نظریے کی حفاظت کرے گی جو آئین کی روح ہے اور قانون کی حکمرانی کی بنیاد ہے۔

191۔ یہ عدالت امید کرتی ہے کہ تمام ادارے اپنی آئینی حدود و قیود سے تجاوز کئے بغیر اچھی حکومت سازی کے اصول کو اپناتے ہوئے کرپشن اور خود نمائی کے خاتمے کی کوشش کرے گی۔ اور اپنے آپ کو لوگوں کی خدمت کے لئے وقف کرے گی۔ عدالت یہ دہرانا ضروری نہیں سمجھتی کہ عدالتیں ہر موقع پر ہر وقت اس معاملے میں ہوشیار رہیں گی اور پسے ہوئے شہری/شہریوں کی مدد کے لئے ہمیشہ موجود ہوں گی۔ جب کبھی ایسے حالات پیدا ہوئے۔

192۔ یہ واضح کیا جاتا ہے کہ کسی بھی صورت میں اس حکم میں کی گئی کسی وضاحت سے عام انتخابات کے انعقاد، حکومتوں کا قیام اور عوامی منتخب نمائندوں کے حلف لینے یعنی صدر مملکت، وزیر اعظم، پارلیمنٹ صوبائی حکومتیں یا ان اداروں کے امور کی بجا آوری کے سلسلے میں کیے گئے اقدامات متاثر نہیں ہوں گے تاہم ایسی کوئی توثیق جس کا اثر گزشتہ حالات یا اس کے علاوہ ہو پر آئین اور بنیادی حقوق سے متصادم یا خلاف یا کسی بھی اور دیگر وجہ سے عدالتی نظر ثانی کی جاسکتی۔

24۔ سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے کیس سے متعلق گزشتہ پیرا گراف کے ملاحظے سے یہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ ملک کے عوام نے

ووٹ دیئے ہیں اور ان کے منتخب کردہ نمائندوں کو نا اہل نہیں قرار دینا چاہیے اور پارلیمنٹ کو باقاعدہ منتخب قرار دیا گیا۔ صدر کے حلف کو بھی اوپر دی گئی چند تجاویز کے ساتھ محفوظ کیا گیا تاکہ ملک میں افراتفری نہ پھیلے۔ نہ صرف یہ کہ موجودہ بلکہ ہمیشہ کے لئے یہ قرار دیا گیا کہ کوئی غیر آئینی اقدام کی رعایت نہیں ہونی چاہیے اور اعلیٰ عدلیہ کے جج کو بھی پابند کیا گیا کہ وہ کسی غیر آئینی اقدام کے تحت حلف نہ لیں۔ متعلقہ پیرا گراف درج ذیل ہے:

”اعلیٰ عدلے کے جج کے ضابطہ اخلاق میں آئین کے آرٹیکل (8) 209 کے تحت، ایک نئی شق شامل کی جائے جس کے تحت کوئی جج آج کے بعد کسی بھی طریقہ سے کسی بھی غیر آئینی اہلکار کی مدد نہ کرے جس نے غیر آئینی طریقہ سے طاقت حاصل کی ہو اور اس شق کی خلاف ورزی کو آرٹیکل 209 کے تناظر میں مس کنڈکٹ تصور کیا جائے گا۔“

25۔ اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ مذکورہ پیرا سپریم جوڈیشل کونسل کے کوڈ آف کنڈکٹ میں شامل کیا گیا ہے۔ اور سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج صاحبان پر اس کی پابندی لازمی ہے۔ اس کے بعد اٹھارویں آئینی ترمیم میں آرٹیکل چھ میں ترمیم کر کے اس میں یہی دفاعت شامل کی گئیں اور بعد ازاں بہت سے مواقع پر اس عدالت نے اپنے فیصلوں میں یہ رائے دی ہے کہ ماسوائے قانون اور آئین کی حکمرانی کے کوئی نظام قابل قبول نہیں۔

عدالتی نظر ثانی کا اختیار جو کہ سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے مندرجہ بالا کیس میں استعمال کیا گیا تھا۔ وہ جو کہ حکومت نے بھی تسلیم کیا ہے کیونکہ اس کے تین نمبر کے اقدامات کی حمایت نہیں کی۔ جہاں تک پارلیمنٹ کا تعلق ہے ہم نے اس چیز کو تسلیم کیا ہے کہ ملک کی تاریخ میں پہلی دفعہ تین نومبر 2007 کے اقدامات کو تحفظ نہیں دیا اس عدالت کو آئین کے تحت حاصل شدہ نظر ثانی کا اختیار کے استعمال کے سلسلے میں کافی فیصلوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جس کا ہم یہاں ذکر کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ لیکن ان کے مطالعہ سے ہمیشہ انتظامیہ کے اقدامات پر ہمیشہ نظر ثانی کرتی ہے جو کہ اب ایک طے شدہ قانون بن گیا ہے۔ اگر کوئی حوالہ ضروری ہے میڈیسن سے لے کر سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے کیس تک تو کافی تعداد میں مثالیں موجود ہیں جہاں سپریم کورٹ نے عدالتی نظر ثانی کا اختیار استعمال کیا، جو کہ ویسے بھی معاملات کے لئے چیک اینڈ بیلنس کو قائم رکھنے کے لئے آخری منصف ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر عدلیہ کی آزادی کو یقینی بنایا گیا ہے اور آئین کا کتابچہ یہ بتاتا ہے کہ پاکستان کے عوام اور عدلیہ کی آزادی کو پورا تحفظ دیا جائے۔ عدلیہ کسی بھی قیمت پر اپنی آزادی پر سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ایسا کوئی بھی سمجھوتہ ہمیں گزشتہ کئی سالوں والی پوزیشن میں لے جاسکتا ہے۔ یہ پہلی دفعہ ہوا ہے کہ عدلیہ نے اپنی طاقت کا استعمال کیا ہے جس کے نتیجے میں جمہوری سسٹم ملک میں قائم ہے۔ ڈاکٹر مبشر حسین بنام فیڈریشن آف پاکستان جس کے ذریعہ NRO کو قرار دیا گیا تھا۔ کہ جہاں این آرا کو غیر قانونی غیر آئینی اور کالعدم قرار دیا تھا۔ اس سلسلہ میں عدالت نے نظر ثانی کا اختیار استعمال کیا۔

28۔ مختلف اوقات میں یہ کیس عدالتی حکم پر عمل درآمد کے سلسلہ میں لگا لیکن ہم نے اس کو ملتوی کیا تاکہ جمہوری نظام آئین کے دائرہ میں چلتا رہے اور بد نظمی سے بچا جائے تاکہ ہم وسیع پیمانے پر کرپشن کے ایک نہیں بہت زیادہ کیس سماعت کے لئے پیش ہوئے ہیں لہذا اس عدالت نے آئینی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے بنیادی حقوق زیر آئینی آرٹیکل چار، نو، چودہ اور پچیس کا نفاذ کیا بہت دکھ سے کہا جاتا ہے کہ معزز ارکان اسمبلی نے بھی اس عدالت سے رجوع کیا جب کہ ایک موجودہ وزیر محمد سید فیصل صالح حیات نے عدالت سے ریٹائر ہو کر پاور پراجیکٹ کیس کی بابت رجوع کیا۔ اسی طرح مس ماروی میمن ممبر قومی اسمبلی نے دریاؤں کے بندوں میں شگاف فلڈ زکی وجہ سے جو ہوئے اور اس سے نقصانات کے سلسلہ میں اس عدالت سے رجوع کیا۔ اسی طرح ممبر قومی اسمبلی خواجہ محمد آصف OGDCL کیس لے کر آئے تمام مذکورہ افراد نے عدالت ہذا کے عدالتی نظر ثانی کے اختیار کو تسلیم کیا۔ سٹیل مل کا معاملہ، ایل پی جی کیس، نیشنل پولیس فاؤنڈیشن، این آئی سی

ایل، حج معاملات اور آر پی پی ایس زیر سماعت مقدمات بشمول بینک آف پنجاب کیس جن میں عدالتی نظر ثانی بوجہ بنیادی حقوق کے اختیار کے استعمال کی وجہ سے ملین روپوں کی وصولی ہوئی جن کو حکومتی ملازمین اور دوسرے افراد نے لوٹا تھا بلا شک جب کبھی بھی کرپشن ہوگی یا کرپٹ طور طریقے استعمال کئے جائیں گے تو عدالت اس کا نوٹس لے گی اور یہ بہت مشکل ہوگا کہ اس پر سمجھوتہ کیا جائے یا ہضم ہونے دیا جائے کیونکہ ملکی عوام کی دولت کو لوٹنے کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ خواہ وہ کسی بھی مرتبہ کا ہو۔

29۔ اس عدالت کا اختیار استعمال ہمیشہ انصاف پر مبنی اور عدالتی حدود میں رہتے ہوئے کیا جاتا ہے جو کہ تمام مذکورہ بالا مقدمات سے ظاہر ہوتا ہے

کہ پاکستان میں اختیار عدالتی نظر ثانی کے استعمال میں ہم اس طرح آگے نہیں گئے ہیں جس طرح ہمارے ہمسایہ ملک میں صورت حال ہے تاہم اب عدالتی اختیار نظر ثانی انتظامی عمل یا فیصلے اور اسباب جہاں عدالت مداخلت کر سکتی ہے متعین ہو گئے ہیں بلا اعتراض اگر کوئی عمل یا فیصلہ صحیح نہ ہے یا ایسا ہے معقول افراد کو باقاعدہ طور پر اطلاع نہ ہوئی یا مقتدر نے غلط رسوخ اختیار کیا یا غیر متعلقہ اور خارجی معاملات سے اثر لیا تب یہ عدالت اختیار رکھتی ہے کہ مداخلت کرے۔ (AIR 1984 SC 1182 Commissioner of Income Tax VS Mahindra) قانونی یا عوامی ادارے قابل جانچ ہیں اور ہائی کورٹس و سپریم کورٹ آئین کے تحت عدالتی نظر ثانی کا اختیار رکھتی ہیں اگر کوئی انتظامی عمل یا فیصلہ قانون کے خلاف یا بنیادی حقوق و آئین میں متعین حقوق کے خلاف ہو آئینی دفعات جو کہ بنیادی حقوق سے متعلقہ ہیں ان کی وسعت کا دائرہ بڑھاتے ہوئے وہ تمام حکومتی انتظامی امور یا کسی دوسرے عوامی اداروں کے عمل اگر ٹالشی، غیر معقول یا خلاف قانون ہیں تو یہ اعلیٰ عدالتوں کے زیر اختیار ہیں اور ان کی کانت چھانٹ عدالتی حدود میں کی جاسکتی ہے۔

Common Cause, A Regd. Society V Union of India (AIR 1999-SC2979) ایک کیس

Union Carbide Corporation V Union of India

(AIR 1992 SC 248=1991 SCR (1) Supl. 251) عدالت نے صحت سے متعلقہ اور بھوپال کے متاثرین کے معاملہ کے سلسلہ میں عدالت نے معاوضہ کی تقسیم کی نگرانی خود کی۔

گیس مجران اور ہسپتالوں کی نگرانی کی گئی جو مضر وبوں کے علاج کے لئے بنائے گئے تھے۔

ویشا کا بنام اسٹیٹ آف راجھستان (اے آئی آر 1997 ایس سی 3011) = (1997، 6 ایس سی سی 241) میں عدالت نے رہنما اصول عورتوں کے کام کی جگہ کو محفوظ بنانے کے لئے متعین کئے جو شکایات کے ازالے کے لئے تمام پرائیوٹ پبلک دفاتر میں ضروری قرار پائے۔

وینیت زائن بنام یونین آف انڈیا:

(اے آئی آر 1998 ایس سی 889) کیس میں جو عام طور پر حوالہ کیس کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سپریم کورٹ آف انڈیا نے سی بی آئی کا چارج کنٹرول لیا تا کہ اپنی زیر نگرانی بد عنوانی اور بد عنوان اعمال کی شفاف تحقیقات کو یقینی بنایا جاسکے۔ طاہرہ حبیب اللہ شیخ بنام اسٹیٹ آف کجرات (2006) 3 ایس سی سی 374 کیس میں عدالت نے کئی مقدمات کو دوبارہ شروع کیا اور خصوصی تحقیقاتی ٹیم بنائی جہاں پولیس جان بوجھ کر حقائق کو مسخ کر کے کو دھرا ہجوم کی 2002 میں مسلمانوں کے خلاف لاقانونیت سے پہلے تیاری کرنے والوں کی مدد کی۔ جس میں 2005 شہاب الدین جلی متبادل کیس کی بیرون ملک تحقیقات بھی شامل ہیں۔ جس کے اندر کئی سینئر پولیس افسران اور چوٹی

کے سیاستدانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔

کیس رُباب الدین شیخ بنام اسٹیٹ آف کجرات:

(2010، 2 ایس سی سی 200) میں پیٹیشنر نے چیف جسٹس آف انڈیا کو اینٹی ٹرسٹ سکوڈ (ایس ٹی ایس) پولیس کجرات اور راجھستان اسپیشل ٹاسک فورس (ایس ٹی ایف) کے خلاف اپنے بھائی کی جعلی مقابلے میں قتل اور اپنی سالی کے اغوا کے متعلق خط لکھا۔ اسی خط پر نوٹس لیتے ہوئے عدالت نے اسے ڈائریکٹر جنرل آف پولیس کجرات کو بھیجا۔ سی آئی ڈی (کرائم) نے انکوائری کی اور کئی گواہوں بمع پیٹیشنر کی گواہیاں ریکارڈ کیں۔ معزز نا رنی جنرل نے عدالت کو بتایا کہ شدید نوعیت کے جرم میں چند اعلیٰ عہدوں پر تعینات پولیس آفیشل کجرات اسٹیٹ کے ملوث ہونے پر سی بی آئی کو تفتیش کا چارج لینے اور عدالت کو رپورٹ کرنے کے لئے جلدی احکامات جاری کئے جائیں۔ سی بی آئی کے حکام کو کہا گیا کہ متوفی کے کیس کے متعلق تمام پہلوؤں پر تحقیقات کی جائیں۔ جس میں متوقع بڑی سازش کی موجودگی کے احکامات بھی شامل ہیں سی بی آئی حکام کی رپورٹ کو عدالت میں فائل کرنے کا کہا گیا۔ جب عدالت اسی رپورٹ پر مزید ضروری احکامات صادر کرے گی، اگر ضروری ہو، یقیناً یہ فیصلہ ہوا کہ مجرمان کو لوکل پولیس کے آڈیوں کے خلاف کہا گیا جس میں اسٹیٹ کے پولیس آفیشل ملوث تھے۔ اسی وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ اگر لوکل پولیس حکام کو تفتیش جاری رکھنے کی اجازت دی جاتی ہے تو تمام متعلقین جس میں متوفی کے رشتہ دار محسوس کر سکتے ہیں کہ تحقیق نہیں ہوئی۔ اور ان حالات میں یہ بہتر اور صحیح ہوگا کہ پیٹیشنر اور متوفی کے رشتہ داروں کو یقین دلایا جائے کہ ایک آزادانہ پنہنی معاملہ کو دیکھا اور وہی تحقیقات کی یقینی لب لباب دے سکے۔

کیس سنٹر فار پبل بنام یونین آف انڈیا:

ایس ایل پی (سی) نمبر 4873 آف 2010 مورخہ 16-12-2010 میں عبد اللہ نے بڑے کروڑوں SCAM میں حاضر ٹیلی کام منسٹر کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا۔

کیس سنٹر فار پبل بنام یونین آف انڈیا:

(رٹ پیٹیشن (سی) نمبر 348 آف 2010 مورخہ 03-03-2011 میں عدالت نے لی جے تھامس کی بطور سنٹرل ویکیلیشن کمشنر کی غیر قانونی تقرری کو کالعدم قرار دیا کیونکہ ان کے خلاف کھرالہ میں چارج شیٹ باقی تھی عدالت نے اسی پوسٹ پر مستقبل میں تقرری کے لئے رہنما اصول بھی صادر کئے۔

کیس راڈی ہیام بنام اسٹیٹ آف پوپی:

(سول اپیل نمبر 3261 آف 2010 مورخہ 15-04-2010) میں سپریم کورٹ نے کورز کا زمین کی ایکویزیشن کے متعلق نوٹی فیکیشن کا کالعدم قرار دیا۔ جو مجوزہ انڈسٹریل ڈیولپمنٹ ضلع کو تھم بدھ نگر بڈ ریکیہ گریٹر نوایدہ انڈسٹریل ڈیولپمنٹ اتھارٹی جو بظاہر غریب زمینداروں کی زمین پر قبضہ کرنے کا ہتھیار لگ رہا تھا۔ کیس نا دہی سندر بنام اسٹیٹ آف چاٹیسگوہ (رٹ پیٹیشن (سول) نمبر 250 آف 2007 فیصلہ شدہ مورخہ 05-07-2011۔

بہت سی ریاستوں میں عدالت نے انٹی کرپشن میں ملوث سپیشل پولیس افسران کو غیر مسلہ اور کیا گیا ہے۔ اسی طرح سپریم کورٹ آف انڈیا عوامی تقسیم کے نظام کو ان کے ہسپتال میں علاج معالجے اور جنگلات کے تحفظ کو دودھائیوں سے زیادہ عرصے سے نگرانی کر رہی ہے۔ اس نے عوامی تقسیم کے انتظام کی نگرانی کے لئے ایک جوڈیشل کمیشن بھی بنایا ہے اور حکومت کو ہدایت کی ہے کہ غریب تر اضلاع کے عوام کو زیادہ سہولیات فراہم کی جائیں۔

30- بینک آف پنجاب بنام ہارٹ اسٹیل PLD 2010 Sc 1109 میں ہمارا اپنا فیصلہ ہے میں عدالت کے دائرہ اختیار اور طاقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ متعلقہ پیرا درج ذیل ہیں۔

“26. In questioning the jurisdiction of this Court, Mr. Irfan Qadir, the learned Prosecutor General for the NAB submitted, as has been noticed above, that this Court had no jurisdiction to control investigation of a criminal case and the reason offered by him in support of the said submission was that such a control over the Investigation of a criminal case by this Court could be "PREJUDICIAL TO THE ACCUSED." The only judgment cited by him to buttress his said plea was the case of Malik Shaukat Dogar and 12 others v. Ghulam Qasim Khan Khakwani and others (PLD 1994 SC 281).

28. Therefore, the dictum laid down in Khawaja Nazir's case was not applicable to the present situation and seeking its application to the facts and circumstances of the present case was misplaced. While we are on the subject, we would like to refer to a judgment of this Court delivered in the case of Advocate. General Sindh v. Farman Hussain and others PLD 1995 SC 1 which judgment was then cited with approval in a recent judgment of this Court, namely, Zahid Imran and others v. The State and others (PLD 2006 SC 109). The principle which had been highlighted in the said judgments was that the approach of a Court of law while dealing with criminal matters had to be dynamic keeping in view the facts and circumstances of each case and also the surrounding situation obtaining in the country. In view of the facts and circumstances of the present case summarized above, it would have been felonious and unconscionable on the part of this Court if it had refused to intervene to defend the fundamental rights of such a

large section of the public and leaving it only to the concerned officials of the NAB SMC 24/2010 DT. 29.07.2011 28 who had done nothing at all in the matter for almost TWO YEARS; who had remained only the silent

spectators of this entire drama and had only witnessed the escape of the accused persons to foreign lands. It is to check and cater for such kind of gross negligence, non-feasance and malfeasance that the framers of the Constitution had obligated the High Court under Article 199 and this Court under Article 184(3) of the Constitution to intervene

in the matter exercising their power to review administrative and executive actions. This is then what the Constitution had expected of this Court through its Article 184(3) and this is exactly what this Court had done.

29. It may be mentioned here that in order to ensure peace in a society, the laws are required to keep pace with the changing times and as has been noticed above with reference to the case of Advocate-General, Sindh (supra) even the approach of the courts has to be dynamic keeping in view the ever-changing ground realities. It was for this very reason that even in the matter of investigations, a role was carved for the courts by addition of subsection (6) in section 22-A of the Cr.P.C. through the Amending Ordinance No. CXXXI of 2002 of which provisions, the learned Prosecutor-General appears to be ignorant. A reference may also be made to a judgment delivered by a 17 Member Bench of this Court in Mubashir Hasan's case (PLD 2010 SC 265) especially to the discussion on the question of investigation as contained in para 102 thereof

30. Investigation, therefore, means nothing more than

collection of evidence. Needless to say that it is evidence and evidence alone which could lead a court of law to a just and fair conclusion about the guilt or innocence of an accused person. It is, therefore, only an honest investigation which could guarantee a fair trial and conceiving a fair trial in the absence of an impartial and a just investigation would be a mere illusion and a mirage. It is, hence, only a fair investigation which could assure a fair trial and thus any act which ensures a clean investigation which is above board, is an act in aid of securing the said guaranteed right and not in derogation thereof. However, before we part with this aspect of the matter, we may add that if the learned counsel had cared to go through various orders passed by this Court in the main Constitution Original Petition No.39 of 2009, he would have discovered that the said orders were restricted only to ensuring that the investigating agency did what it was required by law to do; did it honestly, fairly and efficiently; did not sleep over the matter as it had done for almost TWO YEARS and that not a word had been said by this Court about what evidence to collect and what evidence not to collect or about the worth or veracity of the collected evidence.”

31۔ ہم پارلیمنٹ اور ایگزیکٹو دونوں کا مکمل احترام کرتے ہیں کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ پارلیمنٹ نے قانون سازی کرنے اور اپنی گزارشات کی حمایت میں انہوں نے یہ جہہ بتائی ہے کہ اس عدالت کی طرف سے ایک فوجداری کیس میں اس طرح کا کنٹرول ملزم کے برخلاف ہوگا۔

موجودہ واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر عوام الناس کے بنیادی حقوق کے دفاع میں مداخلت کو انکار کرتی ہے اور ان کو نیپ کے اہلکاروں پر چھوڑ دیتی ہے فیس لوں کے گزشتہ سالوں میں اس معاملہ پر کچھ بھی نہیں کیا جو کہ ملزمان کی بیرون ملک فرار پر خاموش تماشائی بنے رہے۔ آئین دائرہ اختیار دیتا ہے اعلیٰ عدالتوں کو کہ وہ اس کی تشریح کریں، پارلیمنٹ نہ صرف قوانین بنا رہی ہے بلکہ اس نے آئین میں اٹھارویں ترمیم اور انیسویں ترمیم بھی کی ہیں اور اس کے ذریعے فوجی آمر کی ترمیم کو ختم کیا ہے عدالت نے کبھی یہ قرار نہیں دیا کہ پارلیمنٹ کو قانون بنانے کا اختیار نہیں۔

32۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عدالت نے پارلیمنٹ اور عوام کے ایمپائر جج انتظامات میں بدعنوانیوں کو ظاہر کرنے کی کارروائی کا آغاز کیا

ہے۔ حسین اصغر جو کہ ایف آئی اے میں ڈائریکٹر کے طور پر کام کر رہے تھے ان کو ایف آئی اے میں ٹرانسفر کرنے کا نہیں کہا گیا تھا بلکہ ایف آئی اے قذافی جی نے انہیں کیس کی تفتیش سونپی تھی اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ وہ ایک راست باز، ماہر اور دیانت دار ہیں اور اپنی راست بازی سے ہٹنے والے نہیں، اور بلاشبہ انہوں نے بڑی کامیابی دکھائی۔ محمد اقبال ڈی جی ایف آئی نے انہیں ہٹانے کی اپنی غلطی تسلیم کی اور اسی وجہ سے مجاز اتھارٹی کو خطوط لکھے تاکہ انہیں واپس لایا جاسکے اور وہ اپنا تفتیشی کام مکمل کر سکیں۔ معاملہ یہ نہیں تھا کہ یہ عدالت کی رائے تھی کہ انہیں واپس لایا جائے، تبادلہ تعیناتی اس عدالت کا کام نہیں لیکن غیر معمولی حالات میں جو کہ اوپر بیان کئے گئے ہیں اور آئین کے تحت دیئے گئے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے تاکہ حجاج سے لوٹی ہوئی رقم وصول کی جاسکے اور ان ذمہ دار افراد کو جن کی وجہ سے ملک کی بدنامی ہوئی سے قانون کے مطابق نمٹا جاسکے، تاکہ دیگر افراد کے لئے مثال ہو۔

33۔ حسین اصغر ڈائریکٹر ایف آئی اے آزادانہ طور پر اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اور وہ کیس کی تفتیش عدالت کی سرپرستی میں کر رہا تھا۔ اور ان حالات میں اس کی دوبارہ تعیناتی اس تفتیش پے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرے گی۔ اس عدالت نے 27-07-2011 کو ان کی دوبارہ تعیناتی کا حکم دیا جس کی روشنی میں مسٹر سہیل احمد سیکرٹری اسمبلٹ نے نوٹی فیکیشن جاری کیا، انہوں نے نہ تو کوئی غلطی کی اور نہ ہی اصولوں کی خلاف ورزی کی اور نہ ہی اپنے اختیارات کا بے جا استعمال کیا۔ بلکہ اس عدالت کے احکامات کی تعمیل کی اگر اس قسم کے اس باز اور ایماندار افسر اور افسر جیسا کہ اصغر حسین کو مزادی جاوے تو یہ اس قسم کے افسروں کی حوصلہ شکنی کرنے کا باعث ہوگا۔ جو کہ اس عدالت کے احکامات کی تعمیل کریں۔ اس قسم کا مجاز اتھارٹی کے طرف سے آئین کے آرٹیکل تین اور پانچ (2) خلاف ورزی کے زمرے میں آئے گا۔ یہ ایک طے شدہ قانون ہے کہ کسی بھی افسر کو واپس ڈی نہیں لگایا جاسکتا۔ یہ پہلو ایسا کوڈ کے سیریل نمبر 23 میں واضح طور بعنوان (Procedure for Creation of posts of officer on Special duty (OSD) and appointment thereto متعلقہ ضوابط ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

34۔ درست ہے کہ سہیل احمد کا کیس مندرجہ بالا کسی قسم کے زمرے میں نہیں آتا۔ جب ہم آئین کے آرٹیکل تین کا حوالہ دیتے ہیں۔ ہمارا ذہن واضح ہے کہ حکومت کو ہر قسم کے استحصال کے خاتمے کو یقینی بنانے اور بنیادی اصول کی بتدریج تکمیل ہر ایک کی اہلیت کے مطابق ہونی چاہیے۔ مسٹر سہیل احمد کے خلاف کسی قسم کی شکایت نہیں تھی سوائے اس کے کہ اس نے عدالت کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ جو کہ آئین کے متعدد آرٹیکلز کے تحت حمید شاہ نواز مری بنام حکومت بلوچستان (2000 PLC (CS) (533) واپس ڈی کی تقرری پر درج ذیل ذکر کیا گیا ہے:-

"اب ایک افسر کی تعیناتی بطور واپس ڈی کے بنیادی سوال کی طرف آتے ہیں ہم یہ کہیں گے کہ یہ ٹرم بلوچستان سول سروس ایکٹ 1974 کی دفعہ 10 کے خلاف ہے اگر اس کو بلوچستان سول سروس (تقرری، ترقی اور تہذیبی) قوانین 1979ء کے ساتھ پڑھا جائے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ تعیناتی کے درمیانی عرصہ کی سہولت کے لیے ایسا عمل جائز ہے۔ کیونکہ حکومت بلوچستان نے یہ خود تحقیقات کا جواب دیتے ہو۔ جن کو ہو بہو اوپر درج کیا ہے کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ آئندہ حکومتی افسران کو 30 دن سے زیادہ عرصہ واپس ڈی نہ بنایا جائے۔ ان کی خدمات حکومت کے بہترین مفاد میں استعمال کی جائیں۔ بجائے اس کے کہ ان کو لمبے عرصہ کے لیے نکمار کھا جائے اور ان کو بغیر فرائض کی ادائیگی کے مراعات دی جائیں۔"

ایک مقدمہ سجاد احمد بھٹی بنام حکومت پاکستان (2009 CMR 1448) میں عدالت نے درج ذیل فیصلہ کیا:-
"مگر بعض اوقات سول سروس کو بھی واپس ڈی بنایا جاتا ہے یا ان کو تعیناتی کے بغیر رکھا جاتا ہے۔ جب وہ ناپسندیدہ شخص ہوں۔

اس طرح ایسے اشخاص کی کافی عرصہ تک عدم تعیناتی کو عدالتوں نے ناپسند کیا ہے۔ مقدمہ لفیٹیٹ کرنل ریٹائرڈ عبدالواحد ملک (درج بالا) کا ملاحظہ کریں۔ یہ ناجائز اور نامناسب ہے کہ کورنمنٹ سرونٹ کو بغیر کسی کام کے تنخواہ دی جائے۔ کام کرنا ہر شخص کا قیمتی حق ہے۔ جس کا تذکرہ آئین کے آرٹیکل 3 میں کیا گیا ہے۔ اس شق کا مطلب پاکستان کے لوگوں کو سماجی اور معاشی انصاف کی فراہمی یقینی بنانا ہے۔

8۔ اس عدالت نے ایک مقدمہ پاکستان بنام عوام الناس وغیرہ (PLD 1987 SC 304) میں یہ کہا ہے کہ کام کرنے کا حق ایک قیمتی حق ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستان کی سپریم کورٹ نے ایک مقدمہ پی کے چٹانمی بنام حکومت تامل ناڈو (AIR 1988 SC 78) میں درج ذیل رائے دی ہے:

"ہمارے جیسے جمہوری معاشرہ میں افسر شاہی، انتظامیہ کو چلانا اہمیت کا حامل ہے جہاں تک حکومت کا تعلق ہے حکومتی انتظامیہ کو چلانے کے لیے پالیسی معاملات اور اصل ذمہ داری کو نسل آف منسٹرز اور انتظامیہ کا سربراہ کورز ہے اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ہر سرکاری افسر ایک ٹرٹی ہے اور جس دفتر میں وہ تعینات ہے اور تنخواہ و دیگر مراعات حاصل کر رہا ہے وہ پابند ہے کہ حکومت کے مناسب خدمات سرانجام دے۔ اس سکیم کا مقصد یہ ہے کہ ہر سرکاری افسر کی تعیناتی اس کے عہدے کے مطابق دی جائے اور ایسے حالات ہوں کہ جتنی مراعات وہ لے رہا ہے اس کے مطابق حکومت کو خدمات فراہم کرے۔ اگر کوئی افسر ایسا رویہ اختیار کرے جیسا کہ قانون اس کو کرنے کا تقاضا کرتا ہے یقیناً وہ قانون کے مطابق سزا کا مستحق ہے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے عہدہ پر فائز رہے اور بغیر کام کیے consolidated fund سے تنخواہ وصول کرے۔ ہم حکومت تامل ناڈو کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ مدعی کو ایک ماہ کے اندر مناسب تعیناتی دی جائے۔ ایک بار اگر تعینات کیا جائے تو اس کو عام سرکاری کام تفویض کیا جائے جس کو وہ سرانجام دے جیسا کہ قوانین کی ضرورت ہے۔ ہمیں امید اور اعتماد ہے کہ مدعی کو اس کے عہدے کے مطابق تعیناتی دی جائے گی اور حکومت اپنے عمل میں کوئی تعصب اور بددیانتی نہیں دکھائے گی۔ ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ ہم نے الزامات کی سچائی کا معائنہ نہیں کیا ہے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ سرکار کو ایک موقع دیا جائے کہ اس کا اپنے ملازم کے ساتھ مثالی رویہ ہو۔

10۔ ایک اور مقدمہ لائسنس بنام اوو (1974 WLR 185) لارڈ ویننگ نے اپنی رائے کا اظہار درج ذیل کیا ہے۔

"ہم نے بار بار اس عدالت میں کہا ہے کہ ایک شخص کا حق ہے کہ وہ کام کرے جس کو عدالتیں تحفظ دیں گی۔ ملاحظہ کریں ناگل بنام

فیلڈن (Hill vs C.A Persons and Co. Ltd. (1966) 2QB 633 اور

1972 Ch 305

ان ایام میں ایک بھرتی کرنے والا جب کسی تربیت یافتہ شخص کو بھرتی کرتا ہے تو اس کو کام دینے کا پابند ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ایک شخص کو یہ موقع دینا چاہیے کہ وہ کام کرے۔ جب بھی ہو اور ہر وقت کام کرنے کے لیے تیار ہو۔ ایک تربیت یافتہ شخص کام میں فخر محسوس کرتا ہے۔ وہ صرف رقم حاصل کرنے کے لیے کام نہیں کرتا۔ وہ اس لیے کرتا ہے کہ وہ اپنا حصہ ڈالے۔ وہ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے کام کرتا ہے۔ نہ کہ وہ نکمار ہے۔ میرے ذہن کے مطابق ان دنوں میں یہ قابل بحث ہے کہ وہ ایک معاہدہ کے مطابق اس کا کام کرنے کا حق ہے۔ اس کا حق ہے کہ اس کو کام کرنے کا موقع دیا جائے اور اسے وہ کام کرنا چاہیے۔

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عبدالواحد ملک بنام کورنمنٹ آف پنجاب (2006 SCMR 1360) کے کیس میں مندرجہ ذیل فیصلہ کیا گیا

ہے۔

”12۔ ہم نے او ایس ڈی کے تصور کا گہرائی میں جائزہ لیا ہے۔ یہ اب طے شدہ امر ہے ماسوائے اشد مجبوری، عوامی مفاد اور خدمت کی ضرورت کے کورنمنٹ ملازم کو بطور او ایس ڈی متعین نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہ بطور او ایس ڈی تعیناتی کی مدت تیس دن سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ خالصتاً انتظامی معاملے کی وجہ سے یہ صرف مجاز اتھارٹی کے دائرہ اختیار میں ہے کہ وہ اس اختیار کو عوامی مفاد میں استعمال کرے لیکن یہ چیز بھی مد نظر رہنی چاہیے کہ کسی سرکاری ملازم کی بطور او ایس ڈی تعیناتی حکومتی خزانے پر ایک اضافی بوجھ ہوتا ہے کیونکہ ایسا ملازم بغیر کوئی خدمت سرانجام دیئے تنخواہ وصول کرتا ہے۔“

36۔ اسی طرح سلیم اللہ خان بنام فیڈریشن (2004 SCMR 690) کے کیس میں مندرجہ ذیل فیصلہ کیا گیا ہے۔

”مدعی نے ہمارے سامنے سینئر افسران کی ایک فہرست پیش کی ہے جو کہ اسٹیشنمنٹ ڈویژن میں ایک لمبے عرصے سے بطور او ایس ڈی کام کر رہے ہیں اور انہیں کوئی ذمہ داری بھی سونپی نہیں گئی۔ یہ انتہائی قابل فکر صورت حال ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ وفاقی حکومت اس مسئلے سے مناسب طور پر نمٹے۔ انارنی جنرل یہ معاملہ اسٹیشنمنٹ ڈویژن کے سامنے پیش کریں گے جو ایسے تمام افسران کے معاملات پر نظر ثانی کر کے ان کی آئندہ کی تعیناتی کا فیصلہ کرے گی۔ وفاقی حکومت کو ایسے معاملات کی وقتاً فوقتاً نظر ثانی کی پالیسی بھی تیار کرنی چاہیے۔“

سید امجد حسین بخاری بنام کمشنر (754 (CS) 1997 PLC کے کیس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ:

”وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں سرکاری ملازمین کو بغیر کسی تعیناتی کے بطور سزا لمبے عرصے کے لئے رکھنا، انہیں او ایس ڈی بنادینا اور ان سے باقاعدہ کام نہ لینا قانون سے دھوکہ دہی اور انتظامی اختیارات کا ناجائز استعمال ہے۔ اس لئے اس طریقہ عمل کو اس طرح جاری نہیں رکھا جاسکتا اور اسے حکومت کو فوری طور پر ختم کر دینا چاہیے۔“

37۔ مذکورہ بالا کی روشنی میں ایک سول سرونٹ کو او ایس ڈی نہیں بنایا جاسکتا اگر اتھارٹی اس کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہے تو مجاز اتھارٹی کو اختیار حاصل ہے کہ اس کا تبادلہ کر دے پر اس کو سزا نہیں دی جاسکتی جیسا کہ اس کیس میں کیا گیا۔

Zahid Akhtar V Gov. of Punjab کے کیس میں یہ طے کیا گیا کہ سرکاری ملازم کی تعیناتی کا Rule of Business کے رول 21 کے مطابق تین سال ہے جس پر عام حالات میں عمل کیا جانا چاہیے کہ جب تک مجاز اتھارٹی کی رائے مطابق تبادلہ ضروری نہ ہو۔

Abid Hussain V Ajaib Ali Shah Naqvi (2004 PLC (CS) 1036) کے کیس کے مطابق سول سرونٹ اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہا تھا اور ادارے کی تسلی کے مطابق اس کا تبادلہ منظور کروایا گیا۔ پرائمری منسٹر سے قانون کی خلاف ورزی سے جب کہ اس کے تبادلے کا حکم منسوخ کیا گیا اس وجہ سے کہ پرائمری منسٹر آف اے جے کے نے حکومت کی پالیسی نرم کی اور نہ ہی ضروری وجوہات بیان کی گئیں اس کا تبادلہ کرنے کی۔

Gobardhan Lal V State of UP (2000(2) AWC 1515=2000(87) FLR 658) یہ طے کیا گیا کہ سرکاری ملازموں کا تبادلہ اور تعیناتی متعلقہ ادارے کے اعلیٰ آفیسر کی صوابدید ہے جو کہ صرف انتظامی بنیادوں پر نہ کہ سیاسی یا کسی دوسری وجوہات پر حکم کرتا ہے۔

38۔ صوابدید اختیار جو کہ اتھارٹی کو حاصل ہیں ان کا استعمال منصفانہ اور معقول طریقے سے کرنا چاہیے۔

(2010 SCMR 1301) Tariq Aziz ud Din in re کے کیس میں طے کیا گیا کہ اتھارٹی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ صوابدیدی اختیارات کا استعمال اپنی مرضی، خواہشات کے مطابق کریں بلکہ وہ منصفانہ طور پر اور انصاف کے عمل کے پابند ہیں۔

عابد حسین بنام پی آئی اے سی (1117) (2005 PLC (CS) 1117)، ابو بکر صدیق بنام کلکٹر آف کسٹمز (2006 SCMR 705)، ولایت علی بنام پی آئی اے سی (1995 SCMR 650)۔

یہ آئینی اور انتظامی قانون کا ایک غیر تحریری اصول ہے کہ جب کبھی کوئی بھی فیصلہ سازی کی ذمی داری کسی بھی ریاستی ذمہ دار کو سونپی جائے تو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ واضح اور یقینی معاملات پر اپنا ذہن استعمال کرتے ہوئے اور غیر متعلقہ معاملات سے نظر اندازی کرتے ہوئے یہ

ذمہ داری نبھائے۔ (SMT. Shahini Soni V. Union a/India (1980)4 SSC-544)

39۔ اب سوال یہ ہے کہ حسین اصغر کی دوبارہ تعیناتی جو کہ پہلے ہی ایف آئی اے میں جیسا کہ ڈی جی ایف آئی اے نے اپنے دو خطوط میں گزارش بھی کی ہے اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور مجاز اتھارٹی کے حکم کے انتظار میں ہیں کو ایسے کیس کی تفتیش سونپی جائے جس میں بہت ساری بار سوخ اور اعلیٰ شخصیات بھی شامل ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں واضح ہے تو کیا حکومتی ڈھانچہ فالج زدہ ہو جائے گا یا اس سے رشوت ستانی کے اس کیس کی صاف اور واضح تفتیش کی قرارداد کی جھلک نظر آئے گی؟ حکومتی ذمہ داران و قناہزاروں ملازمین کی تعیناتیاں اور تبادلے کرتے رہے ہیں لیکن کبھی کسی عدالتی منتظم کی جانب سے کوئی بھی دخل اندازی نہ کی گئی ہے کیونکہ یہ ان کے دائرہ کار میں نہیں آتا۔ تاہم جب کبھی کسی افسر کا تبادلہ مفاد عامہ اور ضوابط کے مروجہ اصولوں سے ہٹ کر اور اس افسر کو اپنا مقررہ دورانیہ مکمل کرنے کی اجازت دیے بغیر کیا جائے تو عدالت کو ایسے انتظامی حکم کا معائنہ عدالتی نظر ثانی کے قانون کا اطلاق کرتے ہوئے کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سابقہ سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ ڈویژن جانب سہیل احمد جس نے آرٹیکل 5(2) کی دفعات آئین کے آرٹیکل 190 کی روشنی میں اور اس عدالت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے فرائض منصبی سرانجام دیے کو او ایس ڈی بنائے جانے کا سزاوار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ تاہم اس کی خدمات کو اسی پوسٹ کے عوض یا جہاں پر ان کو او ایس ڈی مقرر کیا گیا یا ان کی تقرری کسی ایسی پوسٹ پر جو ان کے وقار کے مطابق ہو

جیسا کہ (عبدالواجد ملک) کے کیس میں ٹھہرایا گیا۔ مجاز اتھارٹی کے اختیار میں ہے۔ لیکن او ایس ڈی کے طور پر ہی اپنی خدمات سرانجام دیتے رہنا عدالت ہذا کے مذکورہ بالا طے کردہ قانون اور پالیسی کے خلاف اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ وہ ابھی تک سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ کے طور پر اپنا دورانیہ مکمل بھی نہ کر پائے تھے اور کوئی بھی انتظامی کارروائی بھی ان کے خلاف زیر التوا نہ تھی۔ اور نہ ہی کہیں اس بات کا تذکرہ ہے کہ ان کی تعیناتی بطور او ایس ڈی مفاد عامہ میں ہے کے منافی ہے۔ کیونکہ مجاز اتھارٹی کا کوئی بھی رد عمل ہماری بار بار کی وضاحتوں کے باوجود بھی دائرہ نہ کیا گیا ہے۔

40۔ لہذا مذکورہ بالا وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم متفق ہیں اور مندرجہ ذیل ہدایت جاری کرتے ہیں کہ:

۱۔ سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ ڈویژن، حکومت پاکستان کا جاری کردہ نوٹی فیکیشن مورخہ 26-07-2011 جس کی رو سے جناب حسین اصغر جن کی حالیہ تقرری بطور انسپٹر جنرل گلگت بلتستان زیر انتظام کشمیر اور گلگت بلتستان امور کے ہے کو عدالت ہذا کے 25 جولائی 2011 کے اسی کیس میں جاری کردہ فیصلے کی روشنی میں بطور ڈائریکٹر ایف آئی اے زیر نگرانی وزارت داخلہ تبادلہ کرنے کا جو حکم سنایا گیا حکومت پاکستان یعنی سیکرٹری داخلہ اور سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ اس پر من و عن عمل درآمد کریں گے۔

ii۔ جناب سہیل احمد صاحب کی بطور وائس ڈی تقرری مورخہ 26 جولائی کانوٹی فیکیشن نمبر I-E-41/335/2009-F قانونی طور پر قابل عمل استقرا رہے تاہم مجاز اتھارٹی کا یہ استحقاق ہے کہ وہ ان کو چاہے تو بطور سیکرٹری اسٹبلشمنٹ تقرر کرے یا ان کو کوئی ایسی ذمہ داری جو ان کے وقار، کارکردگی، اہلیت اور کام کے عین مطابق جلد از جلد اس حکم نامے کے موصول ہونے کے سات یوم کے اندر سونپی جائے۔ اگر ان کی تقرری یا تبادلہ کا کوئی بھی حکم نامہ تجویز کردہ معیار کے اندر نہیں کیا جاتا تو مذکورہ بالا نوٹی فیکیشن جس کی رو سے انہیں وائس ڈی بنایا گیا کالعدم تصور ہوگا، اور وہ سیکرٹری اسٹبلشمنٹ ہی تصور ہوں گے جب تک کے مجاز اتھارٹی کی جانب سے ان کی تقرری یا تبادلہ کسی اور جگہ نہیں کیا جاتا۔

iii۔ ڈی جی ایف آئی اے وہ تمام ضروری اقدامات کریں گے جس سے حسین اصغر جیسے ہی اپنے فرائض منصبی سنبھالے اس کو وہی تفتیشی ٹیم جو ان کے ساتھ پہلے منسلک تھی اور دوسری تمام تر سہولیات جو کہ حج انتظامات سے متعلقہ بدعنوانی کے اس بڑے کیس میں معاون ثابت ہو سکیں، فراہم کریں گے، دریں اثناء ڈی جی ایف آئی اے اس کیس کی تفتیش سے متعلقہ پراگرس رپورٹ ہر سات یوم کے بعد ہمارے مطالعے کے لئے عدالت ہذا میں دائر کرنے کے پابند ہوں گے۔ یہ کیس غیر معینہ مدت تک کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے۔

افتخار محمد چوہدری

(چیف جسٹس)

میاں شاکر اللہ جان (جج)

طارق پرویز (جج)

خلیفہ عارف حسین (جج)

محمود اختر شاہد صدیقی (جج)

امیر ہانی مسلم (جج)

اسلام آباد

29 جولائی 2011ء